مقبوضہ کشمیر کے جنت کدے کو خون رنگ کرنے والے بنیا سامراج نے وحشت و درندگی کی آخری حدوں کو چھو لیا ہے۔ ظلمت کی خون آشام رات بظاہر کٹتی دکھائی نہیں دیتی، تاہم انسانی تاریخ کا یہ فیصلہ کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جہد و جہاد کے قافلے کو آگ اور آہن بھی نہیں روک سکتے۔ آج اہل کشمیر کی بے چارگی کی ذمہ داری مسلم ممالک کے منصب اقتدار پر قابض ان حکمرانوں پر بھی عائد ہوتی ہے جو عالمی سامراج کے اشاروں پر امت مسلمہ کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ حکمران زبانی جمع و خرچ کے بجائے بھارت کا معاشی اور سماجی مقاطعہ کرتے، تو مقبوضہ کشمیر میں عصمت و عفت اور جان و مال کی پامالی کا گھناؤنا کھیل کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔

زیر نظر کتاب میں امت مسلمہ کے اسی، سلگتے ہوئے، مسئلے کے ایسے مختلف حل زیر بحث لائے گئے ہیں، جو استصواب رائے کے علاوہ، تجویز کیے جاتے ہیں۔ ان میں خود مختار کشمیر، ٹرسٹی شپ (دس سالہ تولیت)، لسانی بنیادوں پر تقسیم، جنگ بندی لائن بطور مستقل سرحد اور جموں لداخ وادی اور شمالی علاقہ جات سمیت آزاد کشمیر کی تین منطقوں میں تقسیم وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح کیمپ ڈیوڈ اور اوسلو قسم کے معاہدوں کے امکانات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

یہ کتاب چھ مقالات پر مشتمل ہے: مسئلہ کشمیر، منظر و پس منظر از ارشاد محمود۔ تقسیم کشمیر ایک جائزہ از پروفیسر نذیر احمد شال۔ مسئلہ کشمیر اور ٹرسٹی شپ از ڈاکٹر ایس ایم قریشی۔ خود مختار کشمیر کا مقدمہ از امان اللہ خان۔ خود مختار کشمیر کیوں نہیں؟ از شیخ تجمل الاسلام اور تھرڈ آپشن علاقائی اور جغرافیائی تناظر میں از ارشاد محمود۔ مرتب نے اپنے دونوں مقالات میں تحقیقی اور تجزیاتی انداز سے پاکستان سے کشمیر کے الحاق کا مقدمہ پیش کیا ہے۔ پروفیسر شال نے اپنے فاضلانہ مقالے میں غیر جذباتی استدلال کی بنیاد پر ان تمام تجاویز کو مسترد کیا ہے جو تقسیم کشمیر سے منسوب ہیں۔ پاکستان کے سابق سفیر ڈاکٹر ایس ایم قریشی نے تاریخ عالم اور اقوام متحدہ کی آئینی دستاویزات کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ کشمیر کو کسی بھی حوالے سے ٹرسٹی شپ کے جال میں نہیں پھنسایا جا سکتا۔ انھوں نے قانون بین الاقوام کی روشنی میں مسئلے کی نزاکت اور حقیقت کو مہارت سے واضح کیا ہے۔ امان اللہ خان نے خود مختار کشمیر کا مقدمہ بظاہر معروضی حقائق کے حوالے سے پیش کیا ہے، اور پہلی نظر میں قاری اس سے متاثر بھی ہوتا ہے، تاہم اگلے مقالات میں تصویر کا دوسرا رخ سامنے آتے ہی اس پر نظرثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ شیخ تجمل الاسلام نے خود مختار کشمیر کے تصور کی بھرپور اور مدلل تردید اور الحاق پاکستان کے نظریے کی تائید کی ہے۔ تاہم شیخ صاحب اپنے استدلال کو جذباتی رنگ اور تکرار مضمون سے پاک رکھتے تو بہتر ہوتا۔ کتاب کے دیباچہ نگار ڈاکٹر طاہر امین کا یہ موقف بالکل درست ہے کہ "پاکستان کے پالیسی ساز افراد کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ اگر یہ وقت نکل گیا تو مسئلہ کشمیر دوبارہ لمبے عرصے

کے لیے سرد خانے میں چلا جائے گا..... پاکستان اور بھارت کے درمیان طاقت کا عدم توازن ہی دراصل اس مسئلے کے حل ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے" (ص ۶)۔

کتاب کے آخر میں شامل ضمیمہ جات میں، مسئلے سے متعلق وثائق کو ترتیب زمانی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے مختلف پہلو اور اس کے بارے میں مختلف موقف جاننے کے لیے یہ مختصر کتاب مفید و مددگار ہے اور اپنے موضوع پر ایک جامع دستاویز قرار دی جا سکتی ہے۔ اس اعتبار سے کشمیریات میں یہ ایک عمدہ اور بامعنی اضافہ ہے۔ (سلیم منصور خالد)

تالیف، ڈاکٹر خورشید رضوی۔ ناشر: شہ تاج مطبوعات لاہور۔ صفحات: ۲۶۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

زیر نظر کتاب کے زیادہ تر مضامین چند علمی و ادبی شخصیات کے بارے میں ہیں جن میں سے بعض کے ساتھ مصنف کو براہ راست ملاقات اور صحبت و گفتگو کا موقع حاصل ہوا اور بعض کے ساتھ ان کے برسوں پر پھیلے ہوئے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم رہے۔ ان میں انور مسعود، پروفیسر غلام جیلانی اصغر اور علامہ عبدالعزیز میمن کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں رضوی صاحب نے ان علمی و ادبی اکابر کے بارے میں بھی قلم اٹھایا ہے جو نہ صرف اپنے زمانے میں آسمان علم و ادب کے درخشاں آفتاب تھے بلکہ وہ ابھی تک شعر و ادب اور علم و آگہی کی دنیا میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں۔ شخصیات کے علاوہ بعض علمی و ادبی موضوعات پر کچھ مضامین اور تراجم کتاب کے آخری حصے میں شامل ہیں جس سے کتاب متنوع اور افادیت کے اعتبار سے دوچند ہو گئی ہے۔

بالعموم دیکھا گیا ہے کہ علمی ثقاہت کے بوجھ تلے شاعری اور تحریر کی شگفتگی دم توڑ جاتی ہے مگر خورشید رضوی کی نثر کی یہ نمایاں خوبی ہے کہ خالص علمی موضوع کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے بھی ان کی تحریر کی سلاست، روانی اور شگفتگی برقرار رہتی ہے۔ ہم عصر شخصیات کے بارے میں لکھنا پل صراط پر گامزن ہونے کے مترادف ہے۔ تعریف ایک خاص حد سے بڑھ جائے تو بے اعتدالی--- اور نشتر تنقید کے استعمال میں اگر ذرا سی بھی بے احتیاطی ہو جائے تو آبگینوں کو ٹھیس لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ خورشید صاحب اس نازک کام سے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ عہدہ برا ہوئے ہیں۔

خورشید صاحب کو اللہ نے قوی حافظے کی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔ جو شے ایک مرتبہ ان کی نظر سے گزر گئی، اسے ان کے ذہنی کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کر لیا۔ اسی بنا پر وہ برسوں پہلے کسی دوست سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ابھی وہاں سے اٹھ کر آئے ہیں اور آتے ہی انھوں نے قارئین کو وہ باتیں سنانا شروع کر دی ہیں۔ شخصیت نگار کا حافظہ اتنا قابل اعتماد ہو تو اس کی بیان کردہ باتیں